OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

قرآن مجید اور معاش: تفہیمات از سیرت النبی ﷺ

Quran and livelihood: Understanding from the Life of Prophet Muhammad (SAW)

ڈاکٹر ظفر اقبال
لیکچرار، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

Main topic of Quran is human being. Quran provided complete guidance to human beings for peaceful and well-maintained living. Economic perspective of human life is much important and there are very useful, commands in Quranic text. Some commands are related to earning and some or about expense. The practical explanations or a pictogram of these commands could easily be observed in the Life of Prophet Muhammad (SAW). From Quran and life of the Prophet Muhammad (SAW), one can understand the complete philosophy of Islamic economic circle. Prophet Muhammad's life provides us a good understanding of Quranic teachings. Many examples from his life could be given that how the commands of halal earning and distributive justice was strictly followed.

قرآن مجید کا موضوع انسان ہے۔ قرآن مجید میں انسان کی رہنمائی کے لئے اخلاقی اور قانونی دونوں قسم کی تعلیمات موجود ہیں۔ قرآن مجید کا اپنا دعوی بھی ہے۔ کہ انسان کی کامیابی کے لئے مکمل رہنمائی کا سامان اس کتاب مقدس میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[۱]

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا

قرآن مجید محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی قرآن مجید کی چلتی پھرتی تفسیر اور تصویر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اطاعت و فرمانبرداری کا معیار محمد ﷺ کی تابعداری کو ہی ٹھہرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾[۲]

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا

انسانی زندگی کے شعبوں میں معاشی پہلو اس قدر اہم ہے کہ کسی بھی ضابطہ حیات کے لئے اس کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ مسئلہ معاش کی سنگینی ہی تھی کہ خالق کائنات نے انسان کو پیدا کر کے، اس کی فطرت میں کھانے پینے کے تقاضے رکھ کے اسے یوں ہی مخلوق کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اس نے محض اپنے لطف و کرم سے اس کے رزق کا ذمہ بھی لیا ہے۔ پھر رزق کی فراہمی کے لئے اس نے کمال حکمت اور عجیب و غریب انداز میں زمین میں ایسی صلاحیت، برکت، اتنے وسائل اور اتنے خزانے رکھ دیئے ہیں، کہ قیامت تک پیدا ہونے والے دنیا بھر کے انسان ہی نہیں روئے زمین کے تمام حیوانات بھی ان سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اس رزاق مطلق نے تو سارا نظام کائنات ہی انسان کی خدمت پر مامور فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو انسان کے لیے مسخر کرنے کے بعد ان لاتعداد وسائل معاش یا وسائل رزق کی تقسیم کا کام ضروری ہدایات جاری کرنے کے بعد انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں یا اس وقت روئے زمین پر اگر کوئی آدمی رزق اور بنیادی ضروریات سے محروم ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وسائل معیشت کی تقسیم کے نظام میں انصاف نہیں ہو رہا۔ عام غربت اور افلاس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں مگر ان میں سب سے بڑا سبب وسائل دولت اور اسباب معیشت کے تقسیم کنندگان وہ ظالم اور غاصب ہیں جو محروم المعیشت اور کمزور لوگوں کا حق مارے بیٹھے ہیں۔ کوئی ماہر اقتصادیات بھی شائد یہ ثابت نہ کر سکے کہ آج زمین پر جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے اس کے رزق کا سامان بھی مہیا کیا ہے۔

اس مسئلہ کیتاریخیا ہمیت کیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے تاریخ کے اوراق میں انسان کی انسان سے عداوت اور قوموں اور ملکوں کی جنگوں کے اسباب پر ایک نظر کرنا ہوگی۔ تاریخ کی ورق گردانی ہم پر یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ جنگوں اور عداوت کے اسباب میں ننانوے فیصد کا سبب مسئلہ معاش ہی ہے۔ ہمیشہ سے انسان اپنی حیوانی فطرت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر سارے زمینی وسائل کا اکیلا مالک بننا چاہتا ہے۔ اور دوسرے انسانوں کو محروم کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی بھی قوم کی معاشی حالت سدھرنے کی صورت صرف معاشی انصاف کا پایا جانا ہے۔ مفتی تقی عثمانی اس سلسلہ میں اپنی کتاب ہمارا معاشی نظام میں رقمطراز ہیں کہ کسی بھی قوم کی معاشی حالت کو بہتر اس وقت کہا جا سکتا ہے جب اس کے تمام افراد کو زندگی کی تمام ضروریات فارغ البالی اور سکون و اطمینان کے ساتھ میسر ہوں، ملک کی پیداوار اور آمدنی اگر زیادہ ہو تو ملک کے تمام باشندے اس کی برکات سے مستفید ہوں اور کسی کو تقسیم دولت کے معاملے میں کسی ناانصافی کی جائز شکایت نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر کسی ملک

کی ساری دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور قوم کی اکثریت بھوک اور افلاس کا رونا رو رہی ہو۔۔۔ خواہ ملک کی زمینیں سونا اگل رہی ہوں یا مشینوں سے لعل و جواہر برآمد ہو رہے ہوں، اسے ملک کی معاشی ترقی نہیں کہا جا سکتا، یہ وہ اجتماعی دیوالیہ پن ہے جس کی موجودگی میں کسی قوم کے پنپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[۳]

معاشکی اہمیتقرآن مجید کی روشنی میں

معاش کی بہت زیادہ اہمیت اور انسانی زندگی میں مرکزی کردار کی بدولت اس کو اسلام نے اپنی روحانی تعلیمات سے علیحدہ نہیں کیا۔ قرآن مجید میں بھی معاشی تعلیمات کو ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ مسئلہ معاش کی جزئیات تک ذکر کی گئیں ہیں۔ تاکہ اس سلسلہ میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت جو کہ معاشی مساوات وانصاف کی قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے، کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے عبادات سے بھی زیادہ معیشت کی گتھی کو سلجھایا ہے۔ اسی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر مقالہ ہذا میں درج ذیل سوالات کے جواب تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ مسئلہ معاش سے متعلق قرآن کی بنیادی تعلیمات کیا ہیں؟ اسلام میں معاشی انصاف کے حوالہ سے اصولی مباحث کے علاوہ فروعات میں کن خاص شعبوں کو فوقیت دی گئی ہے؟ سیرت رسول ﷺ میں معاشی انصاف کی قرآنی تعلیمات کے اطلاق کے لئے کیا حکمت عملی اپنائی گئی ہے؟ تاکہ نہ صرف معاشی انصاف کے قرآنی ضابطے اور قوانین اجاگر ہو سکیں بلکہ موجودہ دور میں سیرت کی روشنی میں ان قوانین کے اطلاق کے لئے مناسب سفارشات مرتب کی جا سکیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾[۴] ترجمہ: اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لئے سبب معیشت بنایا ہے مت دو، اسی طرح ارشاد باری تعالی[۱]: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾[۵] ترجمہ: اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے اور قریش پر نعمت باری تعالیٰ کا اظہار ﴿الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾[۶] ترجمہ: جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا، یہاور ان جیسی بیسیوں دوسری آیاتِ قرآنی میں مسئلہ معاش کا بیان عنداللہ اس مسئلہ کی اہمیتکو اجاگر کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق کو اپنے ذمہ اسی لئے لیا ہے کہ انسانی زندگی کا دار و مدار ہی اس پر ہے اور اگر زندگی رزق کی تلاش اور اس کے لئے تگ و دو میں گزر جائے تو زندگی کا اصل مقصد (بندگی) تو غائب ہی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے معاش کی صورت میں جو انعامات انسان پر کئے ہیں ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جیسے سورۃ الانعام میں ذکر ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ (95) فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (96) وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (97) وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ (98) وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ(99) ﴾[7]

: بے شک خدا ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر (ان سے درخت وغیرہ) اگاتا ہے وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کا جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو خدا ہے۔ پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو، وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے۔ یہ خدا کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے، اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے رستے معلوم کرو۔ عقل والوں کے لئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں، اور وہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی سمجھنے والوں کے لئے ہم نے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں، اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں۔ پھر اس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔ اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں۔ اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔ ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔

نبیوں نے بھی اپنی دعاؤں میں اپنے اھل وعیال اور اپنے امتیوں کے لیے رزق کا سوال اللہ تعالیٰ سے ہی کیا ہے۔ جیسے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے اور حضرت موسیٰؑ نے مدین میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ ﴿فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾[8] ترجمہ: اور کہنے لگے کہ پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے، اسی طرح جناب نبی کریم ﷺ نے کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے لئے اور اپنی امت کے لئے رزق کی فراوانی کی دعا فرمائی ہے۔[9] جناب محمد رسول اللہ جب مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے صحابہ کے معاش کا بندوبست کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء نے بھی بیت المال کا باقاعدہ نظام، زکوۃ کی وصولی کا نظام اور غرباء اور مساکین کے لئے وظائف مقرر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ اسلام میں معاشی مسائل کے حل کو ترجیح حاصل ہے۔[10]

مسئلہ معاش کو نہ صرف مذہب اسلام نے بہت زیادہ اہمیت کا حامل گردانا ہے بلکہ خود فطرت انسانی بھی اس کی اہمیت کی قائل ہے۔ اور اس مسئلے کو حل کرنا چاہتی ہے۔ اب انسان ہی دوسرے انسان کے لئے معاشی وسائل اور

ان کے استعمال کا فیصلہ کرے تو کس فوقیت کی بنا پر۔ عقل کی فوقیت، رنگ و نسل کی فوقیت، زبان وعلاقہ کی فوقیت یا پھر علم و دانش کی فوقیت کی بنا پر، ظاہر ہے جواب علم ودانش ہی ہو سکتا ہے۔ کہ باقی بنائیں تو کسی صورت قابل تسلیم نہیں ہیں۔ اب علم و دانش کو لیجئے تو علم کا بنیادی مأخذ اور منبع خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے "اور وحی الٰہی ہی انسانی علم کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے اور لامحالہ اسی کو فوقیت و برتری بھی حاصل ہو گی۔

اس بنیاد پر مسئلے کا وہی حل قابل قبول ہو گا جو بارگاہ الٰہی سے تجویز کردہ یا نافذ کردہ ہے۔ جب یہ قضیہ قابل تسلیم ہوا، تو دیکھنا یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ سے متعلق کیا فرمایا اور اس کی تفصیل کیا ہے۔ لیکن ایک بات ذہن نشین رہے کہ ان تعلیمات کو کوئی ذہن اسی وقت تسلیم کر سکتا ہے۔ جب اس کے سامنے انسان کی زندگی کے مقاصد بھی واضح ہوں اور دنیا کے فانی ہونے کا بھی یقین کامل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ سب انسانوں کو ایک جیسے جسمانی ساخت اور اعضاء کے ساتھ پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین سے اکتساب کا بھی برابر حق دیا ہے۔ کسی کو بھی دوسرے پر ایسی برتری نہیں دی جو دوسرے پر معاش کے ذرائع اور مواقع کو بند کر سکے۔ جیسے دولت کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ﴾[۱۲] ترجمہ: تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں یہ مال نہ پھرتا رہے، اور محنت کو لازم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾[۱۳] ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو، اب دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنانے کے لئے قرآن مجید نے عبادات سے لے کر معاشرت تک ہر ایک دائرہ عمل میں بہت زود اثر تعلیمات دی ہیں۔ اسلامی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معاش ایک کلی نظام کی جزئی ہے۔ اس کے معاملات کو علیحدہ سے حل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس طرح اس کی افادیت حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ معاشی ذمہ داریاں بھی ایمان کی بنیاد پر ہی معاشرے میں عدل و انصاف کے فروغ میں ممد و معاون ہو سکتیں ہیں۔ گویا ایمان کی بنیاد پر قائم احساس ذمہ داری اور توحید پر مبنی تصورِ دنیا (World view)، انسانیت کی وحدت اور مساوات، اس احساس ذمہ داری میں شرکت، کمیونٹی اور معاشرے کو مضبوط بنانے والی قوت ہے۔ ایمان کے بعد عبادات کو لیں تو زکوۃ اور حج جیسی بڑی عبادات کے مقاصد میں اپنی دولت کا ایک خاص حصہ معاشرے کے انتہائی کمزور طبقہ کے حوالہ کرنا ہے۔ جن کو ڈھونڈنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے جس نے یہ خرچ کرنا ہے۔ اسی طرح حج میں دولت کا ایک خاص حصہ کمزور طبقہ سے کوئی خدمت لینے کے حوالے سے ان کو دیگا۔ پھر تمام عبادات میں چاہے روزہ کا کفارہ ہو تو چاہے صدقات خیرات ہوں یا حج میں کسی غلطی کا کفارہ گویا ہر کفارہ کو بھی غرباء کا ہی حصہ قرار دیا

قرآن مجید کی معاشی انصاف کی تعلیمات

آج پوری دنیا معاشی بحران کا شکار ہے اور اس بحران سے نکلنے کے لئے مختلف نظام ہائے معیشت اور ان کے اصولوں سے مسئلے کو حل کرنے میں کوشاں ہے۔ بلکہ اب تو کلی طور پر کسی ایک نظام سے مستفید ہونے کی بجائے تلفیق سے بھی کام لیا جانے لگا ہے۔ لیکن گتھی ہے کہ سلجھنے ہی نہیں پاتی۔اس صورت حال میں باشعور طبقے کی نظریں قرآن مجید کی طرف لگی ہوئی ہیں، اسی کتاب مبین نے دیگر شعبہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی لازوال اصول متعین کئے ہیں۔ جن پر سیرت کی روشنی میں ایک انقلابی اور عوامی فلاح و بہبود پر مبنی پائیدار نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ قرون اولیٰ میں قائم ہوا۔

ا۔ حق معیشت میں مساوات اور درجات معیشت میں تفاوت

رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذات الٰہی سے وابستہ ہے۔ اور ہر فرد کا حقیقی کفیل اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾[۱۴] ترجمہ: اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے، دوسری جگہ فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾[۱۵] ترجمہ: (ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے اور ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾[۱۶] ترجمہ: خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔ ان آیات کی روح یہی ہے کہ معیشت اور اسباب معیشت اللہ تعالیٰ کے خزانے سے فائدہ اٹھانے کی ایسی عطاء اور بخشش ہے کہ جس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہر جاندار کو برابری کا حاصل ہے۔ ان آیات کی رو سے حق معیشت میں مساوات کے انکار کو خود آیات قرآنی کی تکذیب ہی قرار دیا جائے گا۔ لیکن ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حق معیشت میں تمام انسانوں کے لئے مساوات رکھی ہے تو پھر درجات معیشت میں تو فطری طور پر بھی تفاوت پایا جاتا ہے، تو ایسا کیوں ہے۔ درجات معیشت میں فطری تفاوت کی بنیاد پر کیا حق معیشت میں مساوات ختم ہو جاتی ہے۔ اصل میں یہ تو ضروری نہیں ہے کہ سامان معیشت ہر ایک کے لئے ایک ہی جیسا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لئے۔ اور درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم ہو کہ کسی بھی حالت میں وجہ ظلم و نزاع نہ بنے۔ خود قرآن مجید نے اس تفاوت درجات کو بیان کیا ہے۔ ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾[۱۷] ترجمہ: ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لے، ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾[۱۸] ﴿وَهُوَ الَّذِي

جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾[۱۹] ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش ہے، اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۚ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾[۲۰] ترجمہ: اور خدا نے رزق (ودولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ تو کیا یہ لوگ نعمت الہیٰ کے منکر ہیں۔ گویا رزق میں تفاوتِ درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے۔ کہ ہر صاحب ثروت یہ سمجھے کہ اس کی زائد از ضرورت دولت پر اجتماعی حقوق زیادہ عائد ہوں گے۔ کیونکہ دولت و سرمایہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع بازی سے ہی نہیں بلکہ انفرادی حاجات و ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات و ضروریات کی تکمیل سے بھی ہے۔

اب رہا مسئلہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی لاکھوں کروڑوں انسانوں کو محروم المعیشت پیدا کیا ہے اور غربت وامارت کا یہ فرق بھی کہ ایک کروڑ پتی ہے اور دوسرا نانِ جویں سے بھی محروم، یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا بنایا ہوا ہے۔ تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ سب انسانیت کو حق معیشت میں مساوات حاصل ہو۔ آیات قرآنی سے مراد یہ ہے کہ درجات معیشت میں فطری حد تک تفاوت کے باوجود حق معیشت میں تمام کائنات انسانی برابر کی شریک ہے۔ اور صاحب ثروت کی دولت اس کے پاس خدا کی وہ امانت ہے جو اجتماعی نظام کے زیر فرمان غرباء ومساکین کی غربت و مسکنت کو فنا کرنے کے لئے استعمال ہونی چاہئیے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾[۲۱] ترجمہ: اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔ اور ملک میں طالب فساد نہ ہو۔ کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ ان آیات کی روشنی میں یہ سمجھنا چاہئیے کہ غربت وامارت کا یہ غیر فطری تفاوت اور جابرانہ امتیاز جو آج ہم کو کائنات پر چھایا ہوا نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نہیں بلکہ یہ فاسد نظام ہائے معاشی کے ثمرات و نتائج ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس قسم کے تمام نظام ہائے فاسدہ کو یک قلم سوخت ہو جانا چاہئے۔

۲. احتکار واکتناز کی حرمت

دولت اور سرمایہ داری کے وہ اصول قطعاً ناقابل تسلیم ہیں جن میں احتکار اور اکتناز کی کوئی صورت بھی بن سکے اور ان سے دولت و کنز پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو جائے اور اس طرح عام انسانی زندگی مفلوک الحال بنادے۔ اس حوالہ سے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ() يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ [۲۲] ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو اس دن عذاب الیم کی خبر سنادو (35) جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو، اسی طرح ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [۲۳] ترجمہ: صدقات (یعنی زکوۃ وخیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور خدا کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ [۲۴] ترجمہ: اے ایمان والو جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کرلو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے اور کفر کرنے والے لوگ ظالم ہیں۔ قرآن مجید میں ان ہی احکام کی تفصیلات اور ترغیب و ترہیب سے متعلق بہت ساری آیات پائی جاتی ہیں۔ اور ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت جمع و ذخیرہ کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف وخرچ کے لیے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی تعیش کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔ کنز سے متعلق اگرچہ جمہور کا مسلک تو یہ ہے کہ وہ مال جس پر زکوۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کیے گیے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متعلق وعید کا مصداق ہے۔ اور مالی فرائض و واجبات، اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی حاجات اصلیہ کے ادا اور پورا ہونے کے بعد بھی دولت باقی بچے تو اس کا پس انداز کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ اب اس مال پر اجتماعی حقوق عائد ہو چکے ہیں اور اب اس کو اجتماعی حاجات میں ہی صرف ہونا

چاہیئے۔ جمہور کے خلاف حضرت ابو ذر غفاریؓ اور بعض علماء اسلام کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ ایسا مال جو ادائے فرائض اور حاجات اصلیہ سے عہدہ برآں ہونے کے بعد بھی بچ جائے تو اس کو بھی جمع کرنا حرام ہے۔[۲۵]

چنانچہ آیات زکوۃ و صدقات اور اکتناز و احتکار کی ممانعت کے علاوہ آیات میراث اور قانون وراثت وغیرہ اسی حکمت پر مبنی ہیں کہ دولت و ثروت ذخیرہ کے لیے نہیں ہیں بلکہ تقسیم اور پھیلنے کے لیے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔

۳.   فاسد نظام ہائے معیشت کا انسداد اور سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن

خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں ہے جس سے فاسد نظام معیشت کی بڑھوتری ہو یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے یا محنت اور معیشت کے لیے جائز جد وجہد بے حقیقت ہو کر رہ جائے۔ اور محنت اور سرمایہ کے درمیان اعتدال یا توازن باقی نہ رہے اسی لیے اس نے ربوا (سود) کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار، قمار (جوا) کی تماظاہری و خفی اقسام و اصناف، احتکار و اکتناز کی تمام اشکال اور اسی طرح عقود فاسدہ کی دوسری تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا اور معاملات کے کسی شعبہ میں بھی فاسد معاشیات کو دخیل اور بروئے کار نہیں آنے دیا۔ اور اس معاملے میں بھی عدل وانصاف ہی کو اساس و بنیاد قرار دیا ہے۔ اس حوالہ سے قرآن مجید کے ارشادات بہت واضح ہیں: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[۲۶] ترجمہ: تجارت کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام، شراب قمار اور جوئے کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[۲۷] ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ اور ناپ تول میں کمی کو بیان فرمایا: ﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ ()الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ()وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ﴾[۲۸] ترجمہ: ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔ جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں، اور کئی دوسری جگھوں پر ناپ تول کو پورا کرنے اور دوسرے کے حق کو بطریق اولیٰ پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۴.   سود کی حرمت

قرآن کی معاشی انصاف کی تعلیمات میں سود کی حرمت بہت ہی اہم ہے۔ کہ اس ناسور کی وجہ سے معاشی ناانصافیوں اور ظلم و ستم کا آغاز ہوتا ہے۔ اس ہی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قطعی قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: : ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[۲۹] ترجمہ: تجارت کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام، ایک دوسرے اندا زمیں سود کی شناعت اور قباحت کو بہت ہی نمایاں کر دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾[۳۰] ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) پھر عذاب کی وعید سناتے ہوئے ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ()وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾[۳۱] ترجمہ: اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو تاکہ نجات حاصل کرو اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، سود اصلاً تباہی اور بربادی کا سبب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾[۳۲] ترجمہ: خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور خدا کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ ایک حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: سود کا مال کتنا بھی بڑھ جائے اس کا انجام افلاس ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے ربا اور صدقہ کا تقابل بھی اس بنا پر کیا ہے کہ یہ دونوں روح اور مزاج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں ایک طرف اصل چیز طمع، لالچ دوسرے کی ضروریات اور مشکلات کی طرف سے لاپرواہی اور مال وزر کی روز افزوں ہوس ہے تو دوسری طرف تعاون، اخوت اور قناعت کی اعلیٰ اور پاکیزہ اقدار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ()فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾[۳۳] ترجمہ: مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) خدا اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کرلو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور تمہارا نقصان۔ احادیث میں بھی سود کی شناعت اور وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ صحیح مسلم میں نقل کیا گیا ہے: وعن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (لَعَنَ اللَّهِ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ)[۳۴] ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے: سود کھلانے والے پر، سود کھانے والے پر، سود کی دستاویز لکھنے والے پر، سود کے بارے میں گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

سود کی قباحتیں اخلاقی، معاشرتی اور معاشی ہر ایک سطح پر پائی جاتی ہیں۔ اخلاق بھی تباہ ہوتا ہے، معاشرہ بھی اور معاش تو بطور خاص تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر صرف معاشی اعتبار سے دیکھا جائے تو سرمایہ کی کارکردگی محدود ہو جاتی ہے، تعمیری عمل پھیلتا نہیں، روزگار کے مواقع معدوم ہو جاتے ہیں۔ منافع خوری بڑھ جاتی ہے۔ قیمتوں میں گرانی ہو جاتی ہے۔ یہ اور اس طرح کے استحصال کے دیگر پہلوؤں کو قرآن مجید نے اپنی زبان میں ظلم کہا ہے۔ اور معاشی ناانصافی کا اہم مظہر قرار دیا ہے۔ ان تعلیمات کا عملی مظاہرہ جناب محمد ﷺ کی سیرت میں بخوبی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عباسؓ کے سود کو حجۃ الوداع کے موقع پر سرکار دوعالم ﷺ نے ختم کر دیا۔ اور سود کے تمام معاملات کو باطل قرار دے دیا۔

۵. زکوۃ اور وراثت معاشی انصاف میں ممد و معاون

دو چیزیں اسلامی نظام میں ایسی ہیں جو دولت کی تقسیم اور گردش کا ذریعہ ہیں: (۱) وراثت (۲) زکوۃ۔ وراثت کا اصل مقصد ہے کہ وراثت کی تقسیم دولت کو ایک جگہ پر منجمد نہیں رہنے دیتی۔ زکوۃ بھی دولت کو تقسیم کرتی ہے کہ دولتمند لوگ اپنی دولت کا چالیسواں حصہ ہر سال فقراء، غرباء و مساکین کو دیتے ہیں، زکوۃ کے ذریعے مجموعی طور پر ایک خطیر رقم معاشرے کے نادار لوگوں تک ہر سال پہنچتی رہتی ہے۔ اسلام نے دولت کی تقسیم ایسے نظم کے تحت کی ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے، اور جس میں حقوق کا تعین مساوات کی بنیاد پر ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ لباس، کھانا پینا اور شادی بھی ریاست کے ذمے ہے، اگر کوئی آدمی اپنی شادی کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتا تو ریاست اس کی شادی کا خرچ اٹھانے کی ذمہ دار ہے، کوئی آدمی اپنا مہر ادا نہیں کر سکتا تو ریاست اس کا مہر ادا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے۔ جناب نبی کریمؐ نے اسلامی فلاحی ریاست کا جو تصور دیا وہ یہی ہے کہ مملکت کے شہری سکون سے رہیں اور ہر فرد کو اس کا صحیح حق ملے۔ یہی جناب نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں معاشی انصاف ہے۔

معاشی انصاف کی قرآنی تعلیمات کا نچوڑ

مختصراً جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ایک تو معیشت میں فطری تفاوت درجات کے باوجود تمام مخلوق حق معیشت میں یکساں اور برابر ہے۔ اس کے بعد کسی بھی فرد کو ان اموال مباح میں اسی قدر اور اسی طریق سے قبضہ و تصرف جائز ہے کہ اس سے دوسرے فرد کے لیے معاشی ضیق کے اسباب پیدا نہ ہو جائیں۔ نیز معاشی معاملات میں چونکہ باہمی تعاون و اشتراک عمل واجب اور ضروری ہے لہٰذا یہ تعاون ایسے صحیح اور صالح طریقوں پر مبنی ہونا چاہیئے کہ اس سے نظام تمدن میں ابتری نہ پھیل جائے۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ کائنات میں ایک صالح معاشی نظام موجود ہو جو خدائے تعالیٰ کے حکم اور منشا کو پورا کرتا ہو۔ اب اس نظام کی موجودگی ایک طرف تو ایسے تمام معاملات ناجائز اور

حرام ہیں جن میں باہمی تعاون کا مطلق دخل نہ ہو اور جن پر ایک فرد کی تباہی اور دوسرے کی مالی منفعت کا مدار ہو۔ اور دوسری طرف وہ معاملات بھی حرام ہونگے جن میں اگرچہ ظاہری طور پر باہمی تعاون بھی پایا جاتا ہو لیکن اس کی تہہ میں زبردستی کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ جیسے ربوا اور قمار وغیرہ۔

معاشی انصاف کے لیے اسلام کی دیگر تعلیمات میں جو اصولی نکات پائے جاتے ہیں ان کو ذیل میں مختصراً درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ کسی چیز کے جائز و ناجائز ہونے کی حدود اللہ تعالیٰ ہی کی مقرر کردہ ہیں۔

۲۔ حدود اللہ کے اندر شخصی ملکیت کا اثبات موجود ہے۔

۳۔ معاشی مساوات کا تصور غیر فطری ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے خود درجات کی تقسیم جاری کی ہے۔

۴۔ رہبانیت کی بھی کوئی گنجائش نہیں، البتہ اعتدال اور پابندی حدود کا تصور پایا جاتا ہے۔

۵۔ کسب مال میں حرام و حلال کا امتیاز ضروری ہے۔ کسب مال کے حرام طریقوں کے حوالے سے بھی قرآن مجید نے اصولی چیزوں کی نشاندہی کی ہے، جس میں دوسرے کا مال کھانے کے لیے رشوت اور معاشرتی دباؤ کا استعمال، امانت میں خیانت، چوری کرنا، ڈاکہ زنی، یتیموں کا مال ظلم سے کھانا، ناپ تول میں کمی کرنا، دھوکہ دینا، فحاشی اور لھو الحدیث کو فروغ دے کر مال بنانا، سود خوری، شراب کی کمائی، جوا کی کمائی، قسمت بتانے اور فال گیری وغیرہ کا کاروبار شامل ہیں۔

۶۔ بخل، اکتناز، زرپرستی، مال کی حرص اور فضول خرچی کی نہ صرف مذمت کی گئی ہے بلکہ اس کی مکمل ممانعت کا درس دیا گیا ہے۔

۷۔ معاشی انصاف کی سطح حاصل کرنے کے لیے مالی کفاروں، زکوۃ کا لزوم، اموال غنیمت کا خمس، تقسیم میراث کا قانون، وصیت کا قاعدہ، نادان لوگوں کے مفاد کی حفاظت، سرکاری املاک میں اجتماعی مفاد کا لحاظ اور انفاق فی سبیل اللہ کا نظام اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ محروم المعیشت لوگوں کے حقوق کی حفاظت ممکن ہو سکے۔

معاشی انصاف کی اسلامی اور سرمایہ دارانہ نظام کا تقابل

معاشی انصاف کی تعلیمات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت دنیا میں رائج سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ ایک تقابلی انداز میں مطالعہ کیا جائے۔ جس کو یہاں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، جو انہوں نے اپنے کتابچہ اسلام کا اقتصادی نظام میں پیش کیا ہے۔

اسلامی کے اقتصادی نظام کے اصول	اسلامی کے اقتصادی نظام کے اصول

۱- دولت و ذرائع دولت کا مخصوص طبقہ میں محدود ہو کر عوام کی معاشی ہلاکت کا باعث بننا حرام ہے۔

۲- انفرادی ملکیت پر شرائط کی حدود عائد ہیں۔

۳- انفرادی ملکیت ،اجتماعی حقوق کے زیر اثر ہے۔

۴- اقتصادی نظام کی بنیاد عوام کے مفاد اور حاجات کے انسداد پر قائم ہے۔

۵- عام معاشی خوشحالی ضروری ہے۔

۶- معاشی دستبرد کے ذریعہ حاکمیت و محکومیت اقوام لعنت ہے۔

۷- اکتناز (جمع خزانہ) و احتکاز (اجتماعی حقوق سے باز رہنا) کی مطلق گنجائش نہیں۔

۸- نسلی، خاندانی، طبقاتی اور جغرافیائی امتیازات اس سلسلہ میں قابل تسلیم نہیں۔

۱- دولت و ذرائع دولت کا مخصوص طبقہ میں محدود ہونا، جس سے عوام کی معاشی ہلاکت ہو، نظام کی خرابی نہیں ہے۔

۲- انفرادی ملکیت لامحدود ہے۔

۳- انفرادی ملکیت ،اجتماعی حقوق اور مفاد عامہ سے مستغنی و بالاتر ہے۔

۴- اقتصادی نظام کی بنیاد مخصوص افراد اور خاص طبقہ کے مفاد پر قائم ہے۔

۵- عوام کی معاشی تباہی وکساد بازاری اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

۶- معاشی دستبرد کے ذریعہ غلامی اوراقوام کی محکومی لازم وضروری ہے۔

۷- اکتناز واحتکاز ضروری اور موجب سعادت اموراقتصادی ہیں۔

۸- نسلی، خاندانی، طبقاتی اور جغرافیائی امتیازات ضروری ہیں۔[۳۵]

معاشی انصاف کی قرآنی تعلیمات کی عملی صورتیں: سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں

آج کی دنیا کے مروجہ معاشی علوم نے فلسفے اور سائنس کے طور پر گزشتہ چند صدیوں میں منظّم شکل اختیار کی ہے، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کی تعلیمات کی روشنی میں خلفائے راشدینؓ نے آج سے کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال قبل اسلامی نظامِ حکومت کے تحت معاشی حقوق اور معاشی عدل کا ایک عظیم الشان تصور قائم کر دیا تھااور پھر اپنی زندگیوں میں اس تصور کے عملی نمونے بھی پیش کر دیے تھے۔

سود کی بجائے باہمی تعاون واخوت کا قیام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد فوری طور پر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی، دوسرے لفظوں میں ریاست کے لیے سیکریٹریٹ قائم کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ معاشرے کے معاشی مسائل کے حل کو اوّلیت دی گئی۔ ان ہنگامی حالات میں محسنِ انسانیت نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ مہاجرین وانصار کو بھائی بھائی بنادیا۔ اس طرح دو طبقوں میں جو غیر معقول معاشی فرق تھا، وہ ختم ہو گیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان دنوں مدینہ منورہ کی معیشت کا سارا انحصار یہودیوں کے سودی کاروبار پر تھا؛ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین سے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی یہودیوں سے سود پر قرض لے کر اپنا کاروبار شروع کر دو؛ کیوں کہ اس طرح معاشی انصاف پر مبنی معاشرے کی تشکیل ناممکن تھی؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارِ مدینہ سے فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی مدد کرو اور پھر قرضِ حسنہ کا نظام رائج فرمایا اور جب معاشرے کے افراد عملاً باہمی تعاون کے ذریعے بلا سود قرضوں پر معیشت کو قائم کرنے میں لگ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کو مکمل طور پر حرام قرار دے کر اس لعنت کو ختم کر دیا۔

میثاق مدینہ

ایک سماج کے لوگوں کے درمیان پُرامن بقائے باہم اور معاشی انصاف کا سب سے بہتر نمونہ اور اصول "میثاق مدینہ" کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو وہاں کے مختلف قبائل اور اہل مذاہب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ فرمایا، یہی معاہدہ میثاق مدینہ ہے، اس کی دفعات کتنی مدبرانہ اور معقول ہیں، اس کا اندازہ ان کے الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔

۱. سب لوگ ایک ہی قوم کے فرد سمجھے جائیں گے، یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہے اور دونوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہوگی۔
۲. اگر معاہدہ کرنے والے کسی قبیلہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو تمام قبیلے مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
۳. شریک معاہدہ قبیلوں کے تعلقات خیر خواہی، نفع رسانی اور نیک اطواری پر مبنی ہوں گے، تاکہ جبر پر، اور خلاف اخلاق امور میں کوئی اعانت نہیں کی جائے گی۔
۴. یہودیوں اور مسلمانوں کو برابر حقوق حاصل ہوں گے۔
۵. مظلوم کی ہر حال میں مدد کی جائے گی۔ وغیرہ[۳۶]

میثاق مدینہ کی ان دفعات نے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ایک مشترک سماج کی تشکیل کا اصول فراہم کیا ہے، وہاں معاشی انصاف کے لیے تعاون، خیر خواہی اور دوسرے کی ضروریات کے خیال رکھنے کا بھی بندوبست کیا۔ ان خطوط پر آج کے کثیر مذہبی، کثیر تہذیبی اور کثیر لسانی سماج کی منصفانہ تشکیل کی جاسکتی ہے۔

مدینہ طیبہ میں مؤاخات کے طرزِ عمل نے مسلم معاشرے کو استحکام بخشا اور اسے ہر جارحیت کے خلاف مجتمع ہو کر لڑنے میں مدد دی۔ جن لوگوں میں مؤاخات قائم کی گئی تھی، ان کے متعلق دل چسپ اور حیرت انگیز تفصیلات کتبِ سیرت میں موجود ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلمکو مسلمانوں کے درمیان مؤاخات قائم ہو جانے سے اطمینان حاصل ہو گیا۔ منافقین نے مہاجرین وانصار کے درمیان منافرت پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کی؛ مگر مؤاخات نے ان کی چالیں ناکام بنادیں،اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اہلِ مدینہ کو بیرونی خطرات سے بچانے کے لیے مسلم اور غیر مسلم کسی خاص نکتے پر متفق ہوتے، اہل مدینہ کے باہمی اختلافات کو بھی ہوا نہ ملتی اور مدینہ کے باہر کے لوگ بھی مدینہ منورہ پر حملے کی جرات نہ کرتے۔ انھیں اغراض و مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چند ہی ماہ بعد ایک دستاویز مرتب فرمائی، جسے اسی دستاویز میں کتاب اور صحیفہ کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس دستاویز کو متعلقہ اشخاص سے گفت و شنید کے بعد لکھا گیا۔

دستاویز کے ذریعے شہر مدینہ کو پہلی مرتبہ "شہری مملکت" قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا۔ اس معاہدے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی شہری ریاست کو ایک مستحکم نظم عطا کیا اور اس کے لیے خارجی خطرات سے نمٹنے کی بنیاد قائم کی۔ اس دستاویز نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک منتظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے پیش کیا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست کام یابی تھی۔

احتساب کا عمل

اگرچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں تھا؛ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرض خود انجام دیا کرتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابلِ اصلاح تھی۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کراتے، جو باز نہیں آتے انھیں سزائیں دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی باقاعدہ جیل خانہ نہیں تھا؛ اس لیے صرف اتنا خیال کیا جاتا تھا کہ مجرم کو کچھ مدت کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے اور معاشرتی تعلقات قائم نہ رکھنے دیے جائیں۔

اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ مجرم کو کسی گھر یا مسجد میں بند کر دیا جاتا تھااور اس کے مخالف کو اس پر متعین کر دیا جاتا تھا؛ تاکہ وہ مجرم کو لوگوں سے ملنے نہ دے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیکھا کہ لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے۔ ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود ہی وہاں بیچ ڈالیں جہاں اس کو خریدا تھا۔"[۳۷]

سطور بالا کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج جو پوری دنیا میں بد امنی اور ابتری کا دور دورہ ہے اسے ختم کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ مکی اور مدنی زندگی کے نمونے کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ آپ نے اپنے دورِ حکمرانی میں تمام نوعِ انسانیت کے ساتھ عدل مساوات اور سماجی برابری کا رویہ اپنایا۔ آپ ﷺ نے عزت وآبرو اور دوسرے کے مال پر کسی قسم کی دست درازی کو سخت تعزیری جرم قرار دے کر ہر فرد کی عزت اور مال کے تحفظ کی ضمانت فراہم فرمائی۔

مظلوموں کو مدد اور محتاجوں کی اعانت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیوہ رہا ہے، مکہ مکرمہ کی زندگی میں جب ایک مظلوم نے مدد کے لیے خانہ کعبہ کے پاس فریاد کی تو اس کی مدد کے لیے چند دیگر افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہوئے، عبداللہ بن جدعان کے گھر میں انھوں نے باہم مشورہ کر کے ایک جماعت بنائی اور یہ عہد کیا کہ مکہ میں جس شخص پر بھی ظلم کیا جائے گا ہم سب اس مظلوم کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ تاریخ میں "حَلَفُ الفُضُول" کے نام سے سنہرے حروف میں لکھا گیا ہے۔ ظلم کے خلاف متحد ہو کر آواز بلند کرنا اور مظلوم کو اس کا حق دلانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر محبوب تھا کہ مدنی زندگی میں بھی ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر مجھے آج بھی حلف الفضول میں بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔[۳۸]

مشکل میں دشمن کی مدد

سماج کے کمزور اور ضرورت مندافراد کی خبرگیری اور مدد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی روشن مثالیں ہیں۔ مکہ میں ایک بار قحط پڑ گیا۔ اہل مکہ جو مسلمانان مدینہ کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ انسانی حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ قائم کرتے ہوئے مسلمانوں کی غربت وتنگدستی کے عالم میں بھی پانچ سو دینار جمع کر کے سرداران مکہ کو بھیجے کہ وہ قحط کے شکار لوگوں کی مدد کر سکیں۔[۳۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سبق دیتی ہے کہ پڑوسی کا حق بہت بڑا ہے، اور مذہب کے فرق سے قطع نظر وہ شخص سب سے بُرا ہے جس کی دل آزاریوں اور تکلیفوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل امین نے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی اتنی تلقین کی کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ پڑوسی کو بھی میراث میں حصہ دار بنادیا جائیگا۔[۴۰]

رشوت ستانی کی روک تھام

آج ہمارے سماج کو رشوت خوری کے چلن نے اندر سے کھوکھلا بنادیا ہے، اور اس کی وجہ سے بالخصوص سماج کے کمزور اور غریب طبقات اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی رشوت کو ایک سماجی لعنت قرار دے کر اس پر زبردست بندش لگاتی ہے؟ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں کو گنہگار قرار دیتی ہے[۴۱]۔ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے اپنے رب کے سامنے جواب دہی کے احساس کو محرک بنایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تم میں ہر شخص ذمہ دار ہے، اور ہر شخص سے اسکی مفوضہ ذمہ داریوں اور اس کے ماتحتوں کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔[۴۲] احساس ذمہ داری اور احساس جوابدہی کا یہ تصور رشوت کے دروازے کو بند کر دیتا ہے۔

جرائم کی سرکوبی

خطبہ حجۃالوداع کے موقع پر رسول اکرمؐ نے ساری دنیا کو مساوات کا درس دیتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک (حضرت آدمؑ) ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو کسی گورے پر فضیلت حاصل ہے، سوائے تقویٰ اور پرہیز گاری کے۔''[۴۳] ایک مرتبہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی۔ یہ خاندان چونکہ قریش میں عزت اور وجاہت کا حامل تھا، اس لیے لوگ چاہتے تھے کہ وہ عورت سزا سے بچ جائے اور معاملہ کسی طرح ختم ہو جائے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو رسول اکرمؐ کے منظور نظر تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اس معاملے میں رسول اکرمؐ سے معافی کی سفارش کیجیے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ سے معافی کی درخواست کی۔ آپؐ نے ناراض ہو کر فرمایا: ''بنی اسرائیل اسی وجہ سے تباہ ہوگئے کہ وہ غرباء پر بلا تامل حد جاری کر دیتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے، (یہ تو فاطمہ بنت اسود ہے) قسم ہے رب عظیم کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر (بالفرض) فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتیں تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔''[۴۴]

مالی معاملات میں عدل وانصاف اور خیر خواہی کا معاملہ

اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر دوسرے قیدیوں کے ساتھ حضور اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو زرِ فدیہ لے کر آزاد کیا جارہا تھا۔ فدیہ کی عام رقم چار ہزار درہم تھی، لیکن امراء سے زیادہ

فدیہ لیا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت عباسؓ حضور اکرمؐ کے قریبی رشتے دار تھے، اسی واسطے سے بعض انصار نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِ فدیہ معاف کر دیں۔ یہ سُن کر حضور اکرمؐ نے فرمایا ہر گز نہیں، ایک درہم بھی معاف نہ کرو بلکہ حضرت عباس سے ان کی امارت کی وجہ سے حسبِ قاعدہ چار ہزار درہم سے زیادہ وصول کیے جائیں۔"[۴۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں غزوۂ حنین ایک مشہور معرکہ ہے، بنو ھوازن کے ساتھ لڑائی تھی اور وہ لوگ ان گنت جانور اور بے تحاشا مال و دولت ساتھ لے کر آئے تھے، جس میں سونا وغیرہ بھی تھا، فتح کے نتیجے میں یہ سب مال غنیمت کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا،اس غزوہ میں مسلمانوں کو مال بھی بہت ملا اور قیدی بھی بہت ہاتھ آئے۔ دستور کے مطابق رسول اللہؐ نے مال غنیمت بھی تقسیم فرما دیا اور قیدی بھی بطور غلام تقسیم فرما دیے۔اس غزوہ میں رسول اللہؐ نے مال کی تقسیم میں نو مسلموں کو ترجیح دی، خاص طور پر جو لوگ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے ان کو زیادہ نوازا۔اس میں حکمت یہ تھی کہ یہ لوگ شکست کے بعد ایسی صورت حال میں مسلمان ہوئے تھے کہ بظاہر ان کے پاس اس کے سوا چارہ نہ تھا، اس لیے حضورؐ نے حوصلہ افزائی کے لیے ان لوگوں کو زیادہ حصہ دیا کہ ان کے دل میں مجبوری یا جبر کے ساتھ مسلمان ہونے کا خیال نہ آئے۔[۴۶]

خلافت راشدہ میں معاشی انصاف کے لیے اقدامات

خلافت راشدہ میں دفتری نظام، فہرستیں، اعداد و شمار، مردم شماری، یہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں شروع ہوئی، پھر حضرت عمر فاروقؓ نے اس نظام کے تحت وظائف کی تقسیم کا اہتمام کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ترکی گھوڑے پر سفر کرنا، گھر کے آگے ڈیوڑھی بنوانا، باریک لباس پہننا، اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانا اس زمانے میں عیش و عشرت کی علامات تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ لوگوں اور حکمرانوں کے درمیان کوئی خلیج حائل نہ ہو، اور ان کے حقوق و معاملات میں فرق نہ آنے پائے۔ اگرچہ وظائف کی تقسیم میں ترجیحات کا طریقہ کار تھا لیکن عمومی پالیسی یہ تھی کہ ہر آدمی کو عُمّال تک، سرکاری حکام تک رسائی حاصل ہونی چاہیے اور انہیں ان کا حق بلا تاخیر ملنا چاہیے۔

ہر وہ بچہ جو دودھ پینے کی عمر سے گزر جائے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا۔ایک دن رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے ایک بچے کے مسلسل رونے کی آواز آ رہی تھی، پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک بچہ ماں کی گود میں مسلسل روئے جا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بچہ ماں کی گود میں زیادہ دیر رو نہیں سکتا،

ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے، تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ ماں بچے سے دودھ چھڑانا چاہتی ہے تا کہ بچے کا وظیفہ مقرر ہو جائے لیکن بچہ ابھی ایک سال کا ہے اور دودھ چھوڑنا نہیں چاہتا۔ آپؓ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ عمر کی مملکت میں اتنا ظلم ہو رہا ہے، حضرت عمرؓ نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ مائیں اس پالیسی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وظیفہ حاصل کرنے کی لالچ میں اپنے بچوں سے دودھ چھڑوا رہی ہیں۔ آپؓ نے حکم دیا کہ آج کے بعد بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا جائے"[۴۷]۔

ذمیوں یعنی اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کے لیے بھی وظیفے مقرر تھے، ایک دن حضرت عمرؓ بازار میں جا رہے تھے، دیکھا کہ ایک بوڑھا یہودی بازار میں مانگ رہا تھا۔ پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ ایک یہودی ہے۔ پوچھا، مانگ کیوں رہا ہے، کیا اسے وظیفہ نہیں ملتا؟ بوڑھے کو نہیں پتہ تھا کہ یہ حضرت عمرؓ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ عمر کو جزیہ دینا ہوتا ہے، اب میرے پاس اتنے پیسے نہیں بچتے کہ جزیہ دے سکوں۔ حضرت عمرؓ پریشان ہو گئے اور واپس آ کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ ذمی لوگ جوانی میں تو محنت مزدوری کر کے ہمیں جزیہ دے سکتے ہیں، بڑھاپے میں کیا کریں۔ پھر یہ حکم جاری کیا کہ تحقیق کرو کہ جو غیر مسلم کمانے کے قابل نہیں رہا، اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، اور جو اپنے اخراجات پورے نہیں کر سکتا اسے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے۔[۴۸] فرمایا ایسے اور لوگوں کو تلاش کرو جو جزیہ ادا کرنے کے لیے اس طرح پریشان ہو رہے ہوں گے، یعنی ریاست کے ذمے ہر شہری کے حقوق ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱ سورۃ المائدۃ (۵) : ۳
۲ سورۃ آل عمران (۳) : ۳۱
۳ ہمارا معاشی نظام، مفتی تقی عثمانی، ط: ذیقعدہ ۱۴۲۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ص: ۹
۴ سورۃ النساء (۴) : ۵
۵ سورۃ ھود (۱۱) : ۶
۶ سورۃ قریش (۱۰۶) : ۴
۷ سورۃ الانعام (۶) : ۹۵ تا ۹۹
۸ سورۃ القصص (۲۸) : ۲۴

۹ مسند الامام احمد، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ، ۲۸/۳۳
۱۰ الفاروق، شبلی نعمانی، ۱۹۹۱ء، دار الاشاعت، کراچی، ص: ۳۱۷
۱۱ سورۃ البقرۃ ۲: ۳۲
۱۲ سورۃ الحشر (۵۹): ۷
۱۳ سورۃ الجمعۃ (۶۲): ۱۰
۱۴ سورۃ ھود (۱۱): ۶
۱۵ سورۃ یونس (۱۰): ۳۱
۱۶ سورۃ الذاریات (۵۱): ۵۸
۱۷ سورۃ الزخرف (۴۳): ۳۲
۱۸ سورۃ الرعد (۱۳): ۲۶
۱۹ سورۃ الانعام (۶): ۱۶۵
۲۰ سورۃ النحل (۱۶): ۷۱
۲۱ سورۃ القصص (۲۸): ۷۷
۲۲ سورۃ التوبۃ (۹): ۳۴ تا ۳۵
۲۳ سورۃ التوبۃ (۹): ۶۰
۲۴ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۵۴
۲۵ المحرر الوجیز، ابن عطیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ۱۲۷/۳
۲۶ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۵
۲۷ سورۃ المائدۃ (۵): ۹۰
۲۸ سورۃ المطففین (۸۳): ۱ تا ۳
۲۹ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۵
۳۰ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۵
۳۱ سورۃ آل عمران (۳): ۱۳۰ تا ۱۳۱
۳۲ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۶
۳۳ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۸ تا ۲۷۹
صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا وموکلہ ۳۴
۳۵ اقتصادی نظاموں کا تقابلی جائزہ، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ط: جنوری ۱۹۹۵، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ص: ۲۱،۲۰

۳۶، ص۳۶ محمد حمید اللہ ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۸۱ء
۳۷ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض، حدیث رقم ۱۵۲۷
۳۸ محمد بن اسماعیل البخاری، الأدب المفرد، دار الکتب العمیۃ، بیروت، ۱۳۸۹ھ، ص: ۴۷
۳۹ طبقات ابن سعد، دار السلف، الریاض، ۱۹۸۶ء، ۳/۱۳۴
۴۰ الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل البخاری، دار السلام، الریاض، ۲۰۰۲ء، کتاب الادب، باب الوصاۃ بالجار، رقم ۶۰۱۴
۴۱ السنن، ابوداود، کتاب الاقضیۃ، باب کراہۃ الرشوۃ، رقم ۳۸۴۱
۴۲ صحیح بخاری، رقم ۱۸۳۷
۴۳ مسند احمد، رقم ۸۷۴۶
۴۴ صحیح بخاری، رقم ۳۴۷۵
۴۵ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب فداء المشرکین، رقم ۲۹۱۱
۴۶ محمد غزالی، فقہ السیرۃ، دار البشائر، القاہرۃ، ۱۴۲۷ھ، ص ۲۹۸
۴۷ الفاروق، ص ۳۳۰
۴۸ ایضا، ص ۳۳۵